"اجماع" بحیثیتِ ماخذِ فقہِ اسلامی

شفقت حسین خادم ایم۔اے۔ شعبۂ علومِ اسلامی یونیورسٹی آف کراچی

(۳)

آثارِ صحابہ سے دلائل اجماع کی حجت پر صحابہ کرامؓ کے ذاتی اقوال بھی اپنی ایک قیمت رکھتے ہیں۔ یہاں ہم صحابہؓ کے اقوال کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے "جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھی اور جس کو تمام مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بُری ہے۔" (موطا امام محمد، کتاب الصلوٰۃ ص ۱۴۰)۔

۲۔ حضرت ابومسعود انصاریؓ کا قول ہے کہ "اللہ سے ڈرو اور الجماعت کے ساتھ رہو کیونکہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو کبھی کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔" (کتاب الفقہ والمتفقہ جزو خامس صفحہ ۱۶۷)

۳۔ امیرالمومنین سیدنا فاروق اعظم نے اپنے مشہور قاضی شریح کو عدالتی فیصلوں کے لیے جو بنیادی اُصول لکھ کر بھیجے اُن میں تیسرا اُصول یہ تھا کہ جس مسئلے کا حکم قرآن وسنت میں (صریح طور پر) نہ ملے، اُس میں اُمت کے اجماعی فیصلے پر عمل کریں۔ حضرت عمرؓ کا یہ سرکاری فرمان امام شعبی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے "تم فیصلے قرآن حکیم کے مطابق کرو اور اگر تمہارے پاس کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا صریح حکم قرآن میں نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر کوئی ایسا حکم سنتِ نبوی میں نہ ہو تو تم اس کے لیے

وہ فیصلہ کرو جس پر سب لوگ متفق ہو چکے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آجائے جس کے متعلق کسی کا فیصلہ موجود نہ ہو تو اب دو صورتوں میں سے جس کو چاہو اختیار کر لو، چاہو تو اپنی رائے سے فیصلہ کر دو اور چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ اور میں تمہارے لیے ایسے موقع پر پیچھے ہٹ جانا بہتر سمجھتا ہوں"۔

اجماع اور ائمہ امت امام ابوحنیفہؒ — طلبا کے ذہن میں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ کیا امام اعظمؒ کے نزدیک "اجماع" ایک دلیلِ شرعی تھا؟ علمائے احناف نے اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور اس پر بہت سی تعریفات قائم کی ہیں۔ علمائے احناف نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب ہر قسم کے اجماع کو حجت مانتے تھے۔ وہ جس طرح اجماعِ قولی کو حجت مانتے تھے اسی طرح اجماعِ سکوتی کی حجت کے بھی قائل تھے۔ بلکہ فقہائے احناف نے تو اسے بھی اجماع کے خلاف تصور کیا ہے کہ کسی ایک مسئلے میں علما کے دو اقوال ہوں اور کسی دور میں بھی کسی اہلِ علم نے ان سے اختلاف نہ کیا ہو، اس کے بعد ایک شخص آئے اور ایک تیسرا مسلک اختیار کرے جو پہلے دو مسالک سے کسی طور بھی یگانگت نہ رکھتا ہو۔

امام شافعیؒ — حقائقِ شرعیہ کی روشنی میں شافعیؒ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اجماع حجت ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اس کے اعتراف کے بغیر چارہ نہیں تو انہوں نے اس کے لیے بھی مقاییس و موازین وضع کیے تاکہ بغیر برہان کے اگر کوئی اجماع کا دعویٰ کرے تو اس کا بطلان کیا جاسکے، کیونکہ شافعیؒ نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ مجادلات میں دعوائے اجماع کے زیرِ سایہ اس کی کوئی علمی اساس قائم نہیں ہوتی ہے اور اگر مجادلین اور مجامین کو یوں ہی چھوڑ دیا گیا تو اس سے علمی انارکی پیدا ہو جائے گی اور استدلالِ فقہی ساقط ہو جائے گا۔ لہٰذا اجماع کا مرتبہ کتاب و سنت کے بعد قرار دیا۔ کیونکہ کتاب و سنت سے انکار کسی مسلمان کے لیے ممکن نہیں۔ لیکن اجماع کی عملی حیثیت کے بارے میں یعنی اس کے تحققِ وجود کے بارے میں امام شافعیؒ کی رائے کچھ اور تھی۔ ایک علمی مناقشے کے موقع پر انہوں نے فرمایا: "اجماع کا دعویٰ خلافِ اجماع ہے"۔ ایک اور مناظرے میں اپنے حریف سے انہوں نے کہا "جب تم یہ کہتے ہو کہ یہ اجماع ہے تو ایک دوسرا اہلِ علم کہتا ہے یہ اجماع کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ تمہارے دعوے کی رُو سے تو یہ اجماع

تو ہر جہت سے اجماعِ اختلافی ہے۔" (کتاب الام جلد ۶ ص ۱۵۸) شافعیؒ بعض اُمور میں اجماع کے قائل تھے، ہر جہت سے وجودِ اجماع کے منکر نہ تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ" ایک مناظرے کے دوران میں حریف نے پوچھا کیا اجماع آج تک ہوا بھی ہے؟ مَیں نے کہا الحمد للہ بہت سے مواقع پر مثلاً فرائض میں اتنا کامل اجماع ہے کہ کوئی بھی اِس سے لاعلمی کا اظہار نہیں کر سکتا۔" (کتاب الام جلد ۶ ص ۱۵۷)۔

امام مالکؒ بن انس — شاید امام مالک بن انس نے اجماع کا سب سے زیادہ ذکر کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔ موطا میں انہوں نے لکھا ہے کہ" جس بات پر اجماع ہو وہ یہ ہے کہ اس پر اہلِ فقہ، اہلِ علم مجتمع ہوتے ہوں اور اختلاف نہ کیا ہو"۔ (شرح تنقیح صفحہ ۱۴۰)

اِمام احمد بن حنبلؒ — حافظ ابن قیم نے فقہ حنبلی کے اُصولوں میں سے اجماع کو شمار نہیں کیا۔ بلکہ وہ امام احمد سے یہاں تک روایت کرتے ہیں کہ" جو کسی مسئلہ میں اجماع کا دعوٰی کرے وہ جھوٹا ہے۔" امام احمدؒ کے اُستاد امام شافعیؒ استقرائی طریقے پر امتناعِ اجماع کے قائل ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ فرائض کے سوا کسی اور معاملہ میں دعوائے اجماع پر کوئی عالم اصرار نہیں کر سکتا۔ حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ اجماع کے بارے میں امام احمدؒ کا بھی وہی مسلک تھا جو اُن کے شیخ امام شافعیؒ کا تھا۔ لیکن کتاب" المدخل" جو فقہ حنبلی کی کتاب ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ" کسی شخص کو یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ امام احمدؒ عقلی طور پر اجماع کے منکر تھے۔ وہ ایسے اجماع کے علم سے انکار کرتے تھے جو ایسے خاص واقعے پر ہوا ہو جس سے جملہ اقطار اسلامیہ واقف ہو گئے ہوں اور ہر مجتہد کو اس کا پتہ چل گیا ہو اور پھر سب نے قول واحد پر اتفاق کر لیا ہو۔ یہ مراحل طے ہونے کے بعد مدعی اجماع کو اس کا علم بھی ہو گیا ہو۔ ہر انصاف پسند سمجھ سکتا ہے کہ ایسا ہونا عادتاً مشکل ہے۔ ہاں ایسے اجماع کا صرف عہدِ صحابہ میں انعقاد ممکن ہے۔ کیونکہ ان دنوں مجتہد کم ہونے کے علاوہ اُن کے فتاوٰی کو محدّثینِ کرام نے خوب نقل و روایت کیا ہے۔ بنا بریں کسی صاحبِ عقل کے لیے مناسب نہیں ہے کہ حضرت امام پر اجماع کے مطلقاً انکار کی تہمت رکھ کر افتراء کا ارتکاب کرے" (المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبلؒ صفحہ ۱۲۹)۔

امام ابن تیمیہؒ — امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک حجّت ہونے میں نصوص کے بعد اجماع کا درجہ

ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "فقہا، صوفیہ اور عامۂ مسلمین کے نزدیک متفقہ طور پر اجماع حجت ہے۔ اہلِ حدیث اور اہلِ کلام کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ اہلِ بدعت مثلاً معتزلہ اور شیعہ وغیرہ اس کے مخالف ہیں"۔ (الرسائل والمسائل جلد پنجم صفحہ ۲۱)۔

چونکہ امام صاحب نصوص کے بعد اجماع کو حجت مانتے ہیں لہٰذا وہ قرار دیتے ہیں کہ "اجماع وہ معتبر ہے کہ احکامِ شرعیہ میں سے کسی حکم پر علمائے مسلمین متفق ہو جائیں اور جب کسی مسئلے پہ اجماعِ اُمت ثابت ہو جائے تو کسی شخص کو بھی اس اجماع سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اُمتِ مسلمہ ضلالت اور گمراہی پہ مجتمع نہیں ہو سکتی"۔ (فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد اول صفحہ ۴۰۶)۔

سندِ اجماع

اجماع کے سلسلے میں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اجماع کے حجت ہونے کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اجماع کرنے والوں کو احکامِ شرعیہ میں خدانخواستہ خدائی کے اختیارات مل گئے ہیں کہ وہ قرآن وسنّت سے آزاد ہو کر جس چیز کو چاہیں حرام اور جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں۔ یہ حقیقت ہے کہ فقہ کا کوئی بھی مسئلہ قرآن یا سنّت کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اجماع کا بھی ہر فیصلہ قرآن وسنّت کا محتاج ہے۔ چنانچہ فقہ کے جس مسئلے پہ بھی اجماع منعقد ہوتا ہے۔ وہ یا تو قرآن حکیم کی کسی آیت سے ماخوذ ہوتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت سے، یا ایسے قیاس سے جس کی اصل قرآن وسنّت میں موجود ہو۔ غرض ہر اجماعی فیصلہ کسی نہ کسی دلیلِ شرعی پہ مبنی ہوتا ہے۔ جسے "سندِ اجماع" کہتے ہیں۔

جو لوگ اجماع کے قائل ہیں اُن میں سے ایک قلیل جماعت کے سوا سب کا اس پہ اتفاق ہے کہ کسی شرعی حکم پہ اجماع کے لیے ضروری ہے کہ اس کی کوئی سند ہو۔ کیونکہ دین میں سند کے بغیر کوئی حکم لگانا خطا ہے اور اُمت خطا پہ مجتمع نہیں ہو سکتی۔ (آمدی جلد اوّل صفحہ ۱۳۵) البتہ ایک قلیل جماعت اس کی قائل ہے کہ اجماع کے لیے کسی سند کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اربابِ اجماع کو اس کی توفیق عطا فرما سکتا ہے کہ وہ کسی شرعی سند کے بغیر حق وصواب پہ متفق ہو جائیں۔ (کشف بزدوی جلد ۲ صفحہ ۲۶۳)۔ جو لوگ اجماع کے لیے سند ضروری قرار دیتے ہیں، اُن میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں کہ اگر یہ سند قطعی ہے، مثلاً نصِ کتاب یا خبرِ متواتر تو وہ اجماع کی سند یقینی ہے۔ (کشفِ بزدوی جلد ۳ صفحہ ۲۶۳) البتہ داؤد ظاہریؒ

معتزلہ و شیعہ یہ کہتے ہیں کہ سند کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قطعی ہو کیونکہ جب اجماع حجت قطعیہ ہے تو اس کی سند بھی قطعی ہونی چاہیے۔ (تلویح جلد ۲ صفحہ ۵۱)۔ لیکن جمہور اس پر متفق ہیں کہ اجماع کی سند ظنی بھی ہو سکتی ہے۔ (کشف بزدوی جلد ۳ صفحہ ۲۶۳) اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ اجماع کی سند ظنی بھی ہو سکتی ہے اُن کا اس پر اتفاق ہے کہ اخبارِ آحاد اجماع کی سند بن سکتی ہے۔ (آمدی جلد ۱ ص ۱۳۵)۔ لیکن اس میں اُن کا اختلاف ہے کہ اجتہاد اور قیاس بھی اجماع کی سند بن سکتے ہیں یا نہیں۔ اس ضمن میں چار اقوال ہیں —— (المعتمد جلد ۲ صفحہ ۵۲۴) ۱۔ قیاس اجماع کی سند نہیں بن سکتا۔ ۲۔ قیاس، خواہ جلی ہو یا خفی سند بن سکتا ہے۔ ۳۔ قیاس جلی سند بن سکتا ہے خفی نہیں بن سکتا۔ ۴۔ صرف قیاس ہی سند بن سکتا ہے، اس کے سوا اور کوئی چیز سند نہیں بن سکتی۔ بہرکیف مختار مذہب یہ ہے کہ اجتہاد و قیاس اجماع کی سند بن سکتے ہیں، اس کا وقوع ہوا ہے اور یہ حجت بھی ہے۔ (آمدی جلد ۱ صفحہ ۱۳۵، اصول بزدوی جلد ۳ صفحہ ۲۶۳، المعتمد جلد ۲ ص ۴۹۵، مستصفیٰ جلد ۱ ص ۱۹۶)۔

اجماعِ سندی کی اقسام اجماع سندی چار اقسام پر مشتمل ہے جو یہ ہیں:

۱۔ کسی پیش آمدہ مسئلے کے حکم پر صحابہؓ کا اجماع بطورِ نص یعنی زبانی لحاظ سے اُن سب کا اتفاق۔

۲۔ تمام صحابہ کا اس طور پر اتفاق کہ اُن میں سے بعض نے اتفاق کیا ہو، مگر باقی حضرات نے سکوت سے اظہارِ رضا کیا ہو۔

۳۔ کسی ایسی بات پر جس میں صحابہؓ کا قول موجود نہ ہو تابعین یا تبع تابعین وغیرہم کا اجماع۔

۴۔ صحابہ یا تابعین میں سے کسی کے قول پر بعد والوں کا اجماع۔

اِن اقسام میں سے پہلی قسم قطعی اور یقینی علم حاصل ہو جانے میں اسی طرح ہے جس طرح کتاب اللہ کی کوئی آیت ہوتی ہے۔ دوسری قسم متواتر سنت و حدیث کی مانند ہے۔ تیسری قسم کا اجماع مشہور احادیث کی مانند ہے کہ اس سے علمِ یقین تو حاصل ہو جاتا ہے مگر ایک قسم کے شبہ کے ساتھ اور چوتھی قسم کا اجماع اخبارِ آحاد کی مانند ہے۔ اب ہم اِجماع صحابہ اور اکثریت کے

اجماع پر روشنی ڈالیں گے۔

اجماعِ صحابہؓ اجماع صحابہؓ کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ وہ حجت ہے۔(ارشاد الفحول ص۸۰)
لیکن داؤد ظاہری اور ان کے متبعین اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کے سوا اُمت کا اتفاق ہے کہ صرف صحابہ کا اجماع ہی حجت نہیں بلکہ ہر زمانے کے لوگوں کا اجماع حجت ہے۔(آمدی جلد اوّل صفحہ ۱۱۷ المعتمد جلد دوم صفحہ ۴۸۳)۔

جمہور کے نزدیک اِجماع صحابہؓ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ امام بزدوی فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کا نصاً اجماع کتاب اللہ کی آیت یا خبرِ متواتر کی طرح قطعی ہے اور احناف نے عموماً اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔(ارشاد الفحول صفحہ ۷۹) اگر صرف شیخین (سیّد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) یا چاروں خلفائے راشدین کسی قول پر متفق ہو جائیں اور بعض صحابہ ان سے اختلاف رکھتے ہوں تو جمہور کے نزدیک یہ اجماع نہ ہوگا لیکن قاضی ابوحازمؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ اجماع ہوگا۔(آمدی جلد ا صفحہ ۱۲۷، فواتح جلد ۱ صفحہ ۲۳۱) اسی طرح مکّہ اور مدینہ کے اربابِ حل وعقد اگر کسی مسئلے پر اتفاق کر لیں تو بعض لوگوں کے نزدیک دوسروں کی مخالفت ناقابلِ اعتبار ہوگی، لیکن جمہور کے نزدیک اُن کا اجماع ان کے مخالفین پر حجت نہیں۔(آمدی جلد اوّل صفحہ ۱۲۵) اگر اہلِ مدینہ کے کسی قول پر اجماع کیا اور بوقتِ اجماع دوسروں نے اس کی مخالفت کی تو جمہور کے نزدیک اہلِ مدینہ کا اجماع دوسروں پر حجت نہیں۔ لیکن امام مالکؒ کے نزدیک یہ دوسروں پر حجت ہے(آمدی ج ۱ ص۱۲۴)

اکثریت کا اِجماع اگر اکثریت کسی مسئلے پر متفق ہو اور اقلیت مخالفت کرے تو اس کے بارے میں حسبِ ذیل چھ اقوال ملتے ہیں:-

۱۔ جمہور کے نزدیک اجماع منعقد نہ ہوگا۔

۲۔ ابن جریر طبریؒ، ابوبکر رازیؒ، ابوالحسن خیاط معتزلی، اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک منعقد ہو جائے گا۔

۳۔ اگر اقلیت کی تعداد تواتر تک پہنچتی ہو تو اُن کی مخالفت کی صورت میں اجماع منعقد نہ ہوگا ورنہ منعقد ہو جائے گا۔

۴ - اگر ایک جماعت نے مخالف کے مذہب میں اجتہاد جائز رکھا ہو تو اُس کی مخالفت کا اعتبار ہوگا - اور اجماع منعقد نہ ہوگا ورنہ منعقد ہو جائے گا -

۵ - اکثر کا قول حجّت ہوگا، اجماع نہ ہوگا -

۶ - اکثر کی متابعت بہتر ہے، اگرچہ اس کے خلاف بھی جائز ہے - (آمدی جلد اوّل صفحہ ۱۲۰)

اجماعِ صحابہ کی مثالیں

۱ - صحابہ نے خلیفہ رسولؐ اللہ سیدنا ابوبکر صدیق اکبر کی بیعت کی اور اس طرح آپ خلیفہ بنائے گئے - ۲ - سیدنا فاروقِ اعظم نے نماز تراویح کے لیے جماعت مقرر فرمائی - ۳ - شرابی کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر کی - ۴ - نماز جنازہ میں چار تکبیرات مقرر کی گئیں - ۵ - حضرت ابوبکرؓ نے مصحف میں قرآن جمع کرایا - ۶ - حضرت عثمانؓ نے نماز جمعہ میں پہلی اذان کا اضافہ کیا -

انعقادِ اجماع کا کورم

احناف اور مالکیہ کے ہاں اجماع کے جائز قرار پانے کے لیے یہ شرط لازمی نہیں ہے کہ اُس میں فقہا کی کثیر تعداد شریک ہوئی ہو - تاہم بعض کے نزدیک تین اور بعض کے نزدیک اُن کی تعداد دو سے کم نہ ہونی چاہیے - (کشف الاسرار ج ۳ ص ۲۲۹) - فقیہ ابن سریج کی تو رائے یہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں صرف ایک ہی فقیہ ہو تو اُس کی رائے کو اجماع کی حیثیت حاصل ہو جائے گی - (جمع الجوامع جلد ۳ صفحہ ۳۰۵، التقریر جلد ۳ صفحہ ۵۹۳)

اجماع کے انعقاد کے لیے صاحبِ صلاحیت افراد کا کثیر تعداد میں ہونا ضروری نہیں، بلکہ دستیاب نہ ہونے کی صورت میں کم از کم تین سے بھی کام چل سکتا ہے - لیکن جتنے ہوں وہ پوری اُمّت کے منتخب شدہ اور خاص اہمیت کے حامل ہوں - اسی طرح فیصلے میں ہر حیثیت سے سب کا متفق ہونا لازم نہیں بلکہ اکثریت کا اتفاق کافی ہے - صحابہ کرام کی زندگی اور ان کے طرزِ عمل میں اس کا ثبوت ملتا ہے - نیز امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ " اجماع منعقد ہو جاتا ہے، اقلیت کے اختلاف کے باوجود " (حصول المامول من علم الاصول صفحہ ۴۰) یہ درست ہے کہ ہر اکثریت کا فیصلہ اسلامی نقطۂ نظر سے قابلِ اعتماد نہیں ہوتا - کیونکہ اسلام میں صرف رائے شماری کا اعتبار نہیں ہے بلکہ رائے دینے والوں کی فکری و عملی حیثیت بھی دیکھی جاتی ہے - لیکن اجماع کے لیے جو حضرات منتخب ہوں گے وہ بہت جچے تلے اور معیاری ہوں گے، اس بناء

پر مفاسد اور اغراض پرستی کا زیادہ اندیشہ نہ ہوگا۔ وہ اختلاف بھی کریں گے تو اُن کی رائے میں ایک وزن ہوگا اور معقول دلیل کی بنا پر دوسرے لوگ بھی اس نہج پر سوچنے کے لیے مجبور ہوں گے۔ بعض کی رائے نہ مانے جانے کی صورت میں فتنہ کے امکانات کم ہوں گے کیونکہ عامۃ الناس سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

اجماعی فیصلوں کا شرعی حکم اسلام کے قانونی نظام میں اجماع کی بڑی اہمیت ہے۔ جو قاعدہ اجماع سے قائم ہو وہ نہایت مستند اور قابلِ تعمیل مانا جاتا ہے۔ اس کی مخالفت جائز نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اُصول میں ہے "جب مجتہدین نے کسی زمانے میں کسی حکم کا استنباط اور اس پر اتفاق کیا تو اس زمانے والوں پر اُس کا قبول کرنا واجب ہے، اُس کی مخالفت جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اتفاق اس حکم پر بطور دلیل کے ہے۔ (توضیح بر حاشیہ تلویح صفحہ ۵۰)۔ احناف کے نزدیک مذہباً ایسا فیصلہ جب بلحاظ نزکیب اجماع اور اس کے ثبوت کے تمام شرعی ضابطوں کو پورا کرتا ہے اُس وقت اس پر قطعی ہونے کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس معنی میں کہ اس سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اس کا منکر کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ شوافع اور مالکیہ کے مسلّمہ اُصولوں کے مطابق اجماع کا منکر کفر کی حد تک نہیں پہنچتا، جب تک وہ فیصلہ ایسے معاملات سے متعلق نہ ہو جو نصِ صریح سے ثابت اور عام طور سے مسلّمہ ہیں، مثلاً پنج وقتہ نماز وغیرہ۔ حنفیہ کے ہاں اجماع کا فیصلہ مذہباً اسی صورت میں سند ہوگا جب کہ اُس میں مفصلہ ذیل شرائط پائی جائیں :-

۱- اُس کے متعلق اصحاب رسول اللہ میں سے کسی شخص نے اظہار اختلاف نہ کیا ہو یا کسی مجتہد نے انعقادِ اجماع سے پہلے اُس کے خلاف کوئی رائے قائم نہ کی ہو۔ ۲- جو مجتہدین اس میں شریک ہوں اُن میں سے کسی نے بعد میں اپنی رائے نہ بدلی ہو۔ ۳- فیصلہ مذکورہ عامۂ خلائق میں زبانزد یا کم از کم معروف و مشہور ہو۔ ۴- وہ کسی صریح نصِ قرآنی یا کسی متواتر یا مشہور حدیث پر مبنی ہو۔ ۵- وہ اجماع باضابطہ طریقے پر منعقد ہوا ہو۔

لیکن چونکہ اجماعی فیصلہ میں زمانے کی اقتضا اور فقہا کی فکری و ذہنی حالت کا بڑا دخل ہوتا ہے اس بنا پر اس کا اتباع خاص اُسی زمانے والوں پر واجب ہوگا۔ بعد کے لوگ حالات کی

تبدیلی کی بنا پر دوسرے اجماعی فیصلے پر عمل کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ اسی طرح ایک ہی زمانے میں اگر حالات بدل جائیں تو اجماعی فیصلہ بھی بدل جائے گا۔

اجماعِ معتبر اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اجماع صرف عاقل، بالغ مسلمانوں کا معتبر ہے، کسی مجنون، بچے یا کافر کی موافقت و مخالفت کا اعتبار نہیں۔ نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ اجماع منعقد ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ عہد صحابہ سے لے کر قیامت تک کے تمام مسلمان کسی مسئلے پر متفق ہوں۔ اس لیے کہ اگر اسے اجماع کے لیے شرط قرار دیا جائے تو قیامت سے پہلے کسی بھی مسئلے پر اجماع منعقد نہ ہو سکے گا، لہٰذا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اجماع کے لیے کسی ایک زمانے کے مسلمانوں کا متفق ہو جانا کافی ہے۔ رہا یہ سوال کہ ایک زمانے کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ضروری ہے یا مخصوص قسم کے افراد کا متفق ہو جانا کافی ہے؟ اس مسئلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ہم یہاں چند اقوال کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ امام مالکؒ کے نزدیک صرف اہلِ مدینہ کا اجماع معتبر ہے۔ کسی اور کی موافقت یا مخالفت کا اعتبار نہیں۔ یہی قول مشہور ہے۔ مگر بہت سے علماء نے امام مالکؒ کی طرف اس مذہب کی نسبت کا انکار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں۔ (التقریر و التحبیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۰)

۲۔ فرقہ زیدیہ اور امامیہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو اجماع کا اہل کہتا ہے، دوسرے لوگوں کا اجماع ان کے نزدیک معتبر نہیں۔ (التقریر و التحبیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۰)۔

۳۔ بعض حضرات مثلاً ابو داؤد و اصفہانی (تسہیل الوصول صفحہ ۱۷۰) کہتے ہیں کہ ایک زمانے کے تمام مسلمانوں کا اتفاق اجماع کے لیے شرط ہے۔ عوام ہوں یا خواص، عالم ہوں یا جاہل، جب تک سب متفق نہ ہوں اجماع منعقد نہ ہوگا۔ علامہ آمدی اور قاضی ابوبکر باقلانی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ مگر دونوں کی رائے میں یہ فرق ہے کہ قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ جس اجماع میں کسی عام مسلمان کا اختلاف ہو وہ اجماع شرعاً حجت تو ہے۔ مگر اس کو اجماع اُمت نہیں کہا جائے گا۔

۴۔ بعض حضرات کے نزدیک صرف صحابہ کرام کا اجماع حجت ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اجماع کا دروازہ عہدِ صحابہ کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں

امام احمد کے دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا قول اس کے برخلاف اور یہی منتہی بہ ہے (التقریر جلد ۳ صفحہ ۹۷)۔

۵ — پانچواں قول جمہور کا ہے جو نہایت معتدل ہے۔ وہ یہ کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص نہیں۔ کسی بھی زمانے کے متبعِ سنّت فقہاء (مجتہدین) کا کسی حکمِ شرعی پر متفق ہو جانا اجماع کے لیے کافی ہے، عوام اور اہلِ بدعت یا فاسق کی موافقت و مخالفت کا اعتبار نہیں۔ نیز جمہور کے نزدیک صرف ان مجتہدین کا اجماع معتبر ہے جو ہوا و ہوس اور فسق کے درپے نہ ہوں۔ (اصول بزودی جلد ۳ صفحہ ۲۳۷، اصول سرخسی جلد اوّل صفحہ ۳۱۱) نیز جو عدالت سے متصف اور بدعات سے مجتنب ہوں۔ (کشف بزودی جلد ۳ صفحہ ۲۳۷)۔ اہل سنّت کے نزدیک قدریہ، خوارج اور روافض کے انعقادِ اجماع کا اعتبار نہیں، کیونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ تمام فرقے اہل بدعت ہیں۔ (التقریر والتحبیر جلد ۳ ص ۹۷، کشف بزودی جلد ۳ صفحہ ۲۳۸) نیز اگر کوئی مجتہد فاسق ہو تو بعض شوافع مثلاً ابو اسحٰق شیرازی انعقادِ اجماع میں اس کا اعتبار کرتے ہیں۔ (کشف بزودی جلد ۳ ص ۲۳۸) لیکن امام سرخسی کے نزدیک اگر وہ علانیہ فاسق ہو تو اجماع میں اس کا اعتبار نہیں۔ (اصول سرخسی جلد ا ص ۳۱۲)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجتہد فاسق کے پاس اگر کوئی صالح دلیل ہے تو اجماع میں اس کا اعتبار ہے۔ (کشف بزودی جلد ۳ صفحہ ۲۳۸)۔

(جاری ہے)